بشیر احمد ڈار

بھگوت گیتا اور اس کا فلسفۂ اخلاق

بھگوت گیتا ہندوؤں کی مشہور اور مقدّس کتاب درحقیقت مہا بھارت کا ایک حصّہ ہے۔ اس میں کوروؤں اور پانڈوؤں کی لڑائی کے ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ دونوں فوجیں ایک دوسرے کے بالمقابل کورو کھشتر کے مقام پر آموجود ہوئی ہیں۔ کوروؤں کا بادشاہ نابینا دھرت راشٹر تھا۔ اس کے رتھ بان کو دیوتاؤں نے اپنے خاص اختیارات سے بصارت اور بصیرت کی ایسی قوت عطا کی تھی کہ وہ نہ صرف خارجی واقعات کا مشاہدہ کرسکتا تھا، بلکہ دلوں کی باتیں اور وساوس کا علم بھی اس کے لئے آسان ہوگیا تھا۔ اسی رتھ بان کی زبان سے دھرت راشٹر جنگ کے حالات سنتا جا رہا ہے۔ اس کہانی میں سب سے پہلے کرشن اور ارجن کا مکالمہ ہے جس کا پورا نام بھگوت گیت اپنشد ہے یعنی "بھگوان کے راز سربستہ کا اظہار" اور جس کو بھگوت گیتہ یا گیتا بھی کہا جاتا ہے۔

جب دونوں فوجیں لڑائی کے لئے تیار ہوگئیں اور جنگ چھڑنے ہی والی تھی تو ارجن کے دل میں ایک ذہنی کش مکش کا آغاز ہوا۔ یہ صحیح ہے کہ میں ایک اچھے مقصد کے لئے میدانِ کارزار میں اترا ہوں۔ لیکن کیا قتل وخون ایک صحیح طریقہ ہے؟ اس کے دل ودماغ میں یہ سوال ایک آگ کی طرح بھڑکنے لگا اور چند لمحوں کے لئے اس کی قوتِ فیصلہ بالکل شل ہوگئی۔ بے شمار انسانوں کے قتل وغارت سے اور خاص کر اس حالت میں وہ تمام انسان اس کے اپنے بھائی بند، رشتہ دار اور عزیز ہوں، اس کی روح گریزاں تھی۔ کیا خون کے بہتے ہوئے دریا سے عبور کرنا اس کے لئے ممکن ہے؟ ارجن کی یہ نفسیاتی کش مکش درحقیقت تمام بنی نوع انسان کی ذہنی اور اخلاقی حالت کا آئینہ ہے۔ ارجن پانڈوؤں کا سردار ہی نہیں بلکہ صحت مند اور بلند کردار انسانیت کا نمایندہ ہے جس کے نزدیک ایک بہترین مقصد کے حصول کے لئے ذرائع بھی ہر قسم کی آلودگی اور اخلاقی گراوٹ سے پاک ہونے چاہئیں لیکن یہاں اس کے سامنے حقیقی سوال یہ ہے کہ کیا قتلِ نفس جیسا بظاہر غیر اخلاقی فعل ایک صحیح راستہ ہے؟ کیا اس فتنہ وفساد کو ختم کرنے کے لئے جو کوروؤں کے طرزِ عمل سے معاشرہ میں پیدا ہو رہا ہے، یہی طریقہ ہے؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ کسی پُرامن طریقے سے اس کا حل ہوسکے؟ اس کو احساس تھا کہ باوجود فہمائش کے، باوجود ہر کوشش کے کوروؤں کے رویہ اور طریقہ زندگی میں کوئی اصلاح نہیں ہوسکی اور حالات اتنے مخدوش ہوچکے ہیں کہ ہر قسم کی بہتری کا امکان ختم ہوچکا ہے۔ اب اس کے سوائے کوئی چارۂ

کا رُخ نہیں کہ جنگ کر کے اس فتنہ و فساد کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا جائے۔ لیکن ارجن کے لئے اس منزل سے گزرنا بڑا دشوار ہو رہا تھا اور وہ باوجود انتہائی کوشش کے کوئی قطعی فیصلہ نہ کر سکا۔ ایک دفعہ اس نے یہاں تک تہیّہ کر لیا کہ وہ اپنی زندگی ختم کر ڈالے یا دُنیا کو چھوڑ چھاڑ کر اس کش مکش سے نجات حاصل کر لے۔

ارجن کا یہ ذہنی اُلجھاؤ اور نفسیاتی پریشانی درحقیقت انسانی تاریخ میں دو مختلف اصولوں کی کش مکش ہے۔ ایک طرف ایسا نظریۂ اخلاق ہے جس نے انسان کی انفرادیت پر زیادہ زور دیا اور اس کے سامنے اس کائنات کا ایسا خوفناک تصوّر پیش کیا کہ اس سے گھبرا کر ہر انسان اپنے نفس کو آلائشوں سے بچانے کے لئے دنیا اور اس کے متعلقات سے علیحدہ ہو جائے۔ عیسائیت اور بُدھ مت اس کی بہترین مثالیں ہیں۔ ان کے نزدیک جس چیز کی ضرورت ہے وہ صرف انسانی ارادہ کی اصلاح ہے جس کے بعد اس کے لئے نجات کا راستہ صاف ہو جاتا ہے۔ چند اخلاقی اصولوں کی پیروی، جسمانی ریاضت اور تپسیا کے علاوہ کسی چیز کی حاجت نہیں۔ خدا کا وجود یا آخرت کا عقیدہ موجود ہو یا نہ، اس مقصد کے حصول میں کسی طرح اثر انداز نہیں۔ زندگی اپنی فطرت ہی میں بدی ہے اور اس لئے ہر وہ چیز اور جذبہ جو زندگی کو بڑھائے، ترقی دے یا قائم رکھے قابلِ ترک ہے۔ ہر وہ عمل جس سے انسانی جسم پاک و صاف رہے یا جس سے اسے تقویت پہنچے بدی کا ممد و معاون ہے۔ اس لئے صاف ستھرے کپڑے پہننا، نہانا، دھونا، یا بیماری کی حالت میں علاج کرانا سبھی حقیقی گیان کے خلاف ہیں۔

اسی قسم کا نظریۂ رہبانیت بعد میں مشرقی تصوّف میں بھی پیدا ہوا جس کے اثرات فارسی ادب میں اب بھی موجود ہیں۔ اس کے نزدیک یہ دنیا دارالعذاب ہے اور اس سے بچنا اور نجات حاصل کرنا انسان کا اوّلین فرض، انسانی تعلقات، معاشرے میں رہنے کی ذمہ داری، دوسرے لوگوں کی بہتری اور بھلائی، غرض ہر قسم کی اجتماعی ذمہ داریوں سے انکار اور فرار اس کی سرشت میں ہے۔ ایسے نظریہ حیات میں جو خالص سلبیت پر مبنی ہو کسی قسم کی آویزش کا امکان ہی نہیں۔ تاریخی طور پر یہ حقیقت اپنی جگہ نمایاں ہے کہ اس قسم کے رہبانی مذاہب یا اخلاقی نظاموں کے حاملین کو کسی زمانے میں بھی اپنے معاصری لوگوں سے کسی قسم کی پیکار یا مخالفت کا سامنا نہیں کرنا پڑا اس لئے ان کے لئے محبت، آشتی، امن، پیار، درگزر جیسے منفعلانہ صفات کے علاوہ کوئی اور اخلاقی نصب العین ہو نہیں سکتا تھا۔ جب ایک راہب یا سادھو کا نظریہ ہی یہ ہو کہ یہ تمام کائنات اور اس کی تمام تر ذمہ داریاں محض زنجیریں ہیں جو اس کو صحیح منزل تک پہنچنے سے روکتی ہیں تو اسے اس کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہی کیا ہو سکتی ہے۔ دوسری طرف وہ نظریۂ اخلاق ہے جس کا تمام تر دار و مدار معاشرے کی اصلاح ہے جس میں زندگی سے گریز نہیں بلکہ مخالف قوتوں سے ہر قسم کے تصادم سے مقصد کا حصول ہے۔ اگر نیکی کا چلن، اور بدی سے بچاؤ پُرامن طریقے سے حاصل نہ ہو سکے تو اس کے لئے جان کی بازی لگا دینا عین ایمان ہے۔ اس میں زندگی کا مقصد انفرادی نجات

نہیں بلکہ معاشرتی اور اجتماعی فلاح و بہبود ہے۔ یہاں انسان کا دائرہ عمل جنگل اور پہاڑ اور ویرانے نہیں بلکہ دیہاتوں اور شہروں کی آبادیاں ہیں جہاں انسانوں کے باہمی میل جول سے ہزاروں اخلاقی مسائل پیدا ہوتے ہیں اور جن کے صحیح حل پر اجتماعی سکون و فلاح کا دارومدار ہے۔

ارجن کی کش مکش انہی دو نظریوں کی جنگ تھی اس کے لئے ان دونوں میں سے کسی کی طرف میلان ہو سکتا تھا، تو پہلے کی طرف کیونکہ اس نظریۂ حیات میں سکون، خاموشی، ٹھہراؤ تھا جو ارجن کو اس کش مکش سے نجات دے سکتا تھا۔ لیکن عین اس نازک وقت پر کرشن نے اس کو مسائل کی اصل حقیقت و نوعیت کی طرف توجہ دلائی۔ پہلے باب میں ارجن کی کیفیت بالکل ویسی ہی ہے جس کو صوفیاء کے ہاں قبض سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مکالمہ میں لحظہ بلحظہ گہرائی اور وسعت بڑھتی جاتی ہے۔ دوسرے باب سے فلسفیانہ مباحث شروع ہوتے ہیں۔ انسان کا حقیقی مرکز جسم یا حواس نہیں بلکہ ابدی روح ہے اور اس طرح ارجن کی توجہ ظاہری اور سطحی مسائل سے ہٹا کر اصل حقیقت کی طرف لائی جاتی ہے۔ یہ کورو کشیتر کا میدانِ جنگ گویا انسانی روح کی زندگی ہے اور کورو وہ دشمن ہیں جو اس کی زندگی کی ترقی اور نشوونما میں حارج اور رکاوٹ ہیں۔ ارجن ایک عام انسان ہے جو مختلف قسم کی ترغیبات کے حملوں سے گھرا ہوا پریشان ہے۔ کرشن کی آواز گویا خدا کی آواز ہے جو ارجن کو مایوسی کے خوفناک گڑھے سے نکال کر روشنی کی طرف لے جانا چاہتی ہے۔ پہلے ہی باب میں کرشن نے ارجن کے دل کی کیفیات اور خواہشات کا عمدہ تجزیہ کر کے ارجن کو اعلےٰ مقصد کی جدوجہد کے لئے تیار کر دیا۔ جب مکالمہ آگے بڑھتا ہے تو جنگ کی آوازیں اور وہ خوفناک ماحول سبھی ثانوی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں اور صرف انسانی زندگی کے مسائل پر پُرلطف بحث سامنے آتی ہے جس کے بعد ارجن کی زندگی کا نقشہ ہی بدل جاتا ہے۔

ہندوستان میں عام طور پر تین مختلف طریقے مروّج تھے۔ پہلا طریقہ تو ویدوں میں مندرج تھا یعنی رسمی عبادات مثلاً قربانی وغیرہ اور دیگر نیک کام کرنا (کرم یوگ)۔ دوسرا طریقہ بعد میں اپنشدوں کی وجہ سے مروج ہوا۔ اس میں عمل کی بجائے علم پر زیادہ زور دیا گیا۔ یعنی جس شخص کو صحیح علم حاصل ہو تو گویا اس نے نجات کے دروازے کی کنجی پر قبضہ کر لیا۔ بعد میں ویدانت نے اسی نظریئے کی تائید کی (جنان یوگ)۔ تیسرا طریقہ عام طور پر بھکتی کہلاتا ہے جس میں عمل اور علم کی بجائے جذبات کا اظہار زیادہ ہوتا ہے یعنی خدا سے محبت اور الفت کا اظہار۔ (بھکتی یوگ)۔ بھگوت گیتا گویا اسی بھکتی کے طریقہ کی نمائندہ ہے اگرچہ اس میں باقی دونوں طریقوں، علم و عمل پر بھی مناسب زور دیا گیا ہے۔

بھکتی اور اس کے ساتھ بھگوت، اور بھاگوت سب کا ماخذ سنسکرت کا مادہ بھج ہے جس کے معنی تعریف کرنا، عبادت کرنا ہیں۔ (بھجن اسی ماخذ سے نکلا ہے)، گویا بھکتی یوگ دوسرے لفظوں میں عبادت کا وہ طریقہ ہے

جن میں انسانی جذبات کی شدّت موجود ہو۔ اگر خدا کی عبادت محض رسم اور ظاہریت کا مظاہرہ ہے جس میں کوئی خلوص اور جذبہ نہیں تو ایسی عبادت یقیناً بے کار محض ہے بلکہ انسان کے ذہن میں غلط تصوّرات پیدا کرنے کی وجہ سے فائدہ کی بجائے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔ عبادت جو خدا کے سامنے عبودیت کا اظہار ہے تبھی اخلاقی حیثیت سے فائدہ مند ہو سکتی ہے اگر اس میں خدا کے ساتھ عجز و نیاز، محبّت و تذلل، توکل و خشیت سبھی موجود ہوں۔ لیکن بھگتی کے اس تصوّر کے ساتھ خدا کا ایک خاص قسم کا تصوّر وابستہ ہے۔

ہندوؤں کی مذہبی تاریخ میں خدا کا ایک تصوّر موجود تھا۔ ان کے نزدیک خدائے واحد وہ ہستی نہیں جو توحیدی مذاہب پیش کرتے ہیں، جو خالق کائنات بھی ہے لیکن اس کا وجود اس کائنات سے ماوراء ہے۔ جو رحمان و غفور ہونے کے ساتھ ہی اس کائنات کی کسی چیز سے مشابہ بھی نہیں، جو انسانوں کی ضروریات اور تمناؤں کو سنتا، دیکھتا ہے اور اس کے باوجود وہ تمام کمزوریوں اور کوتاہیوں سے پاک ہے۔ ویدوں میں توحید کے مبہم تصور کے ساتھ ساتھ شرک، ایک خدا کے اردگرد ہزاروں اور دیوتا ہر جگہ نظر آتے ہیں۔ اس کے بعد اُپ نشدوں میں وحدت وجود کا فلسفیانہ نظریہ نمایاں جگہ حاصل کر لیتا ہے۔ وحدت وجود کا خدا درحقیقت توحیدی خدا نہیں بلکہ فلسفہ کا اصولِ مطلق ہے جو محض منطقی اور فلسفیانہ حیثیت سے کثرت میں وحدت پیدا کرتا ہے۔ وہ کائنات سے علیحدہ کوئی ہستی نہیں اور اس لئے ایسے خدا کے ساتھ عجز و نیاز، محبت و الفت کا اظہار ممکن ہی نہیں۔ اس اصول مطلق کو درحقیقت خدا کا نام دینا ہی غلط ہے۔ یہی تصوّرات ہندوؤں کے ہاں مقبول ہوا اور اسی کو نظریۂ ویدانت کہتے ہیں جس کی تائید میں شنکر اچاریہ نے ویدانت شوترا اور گیتا کی تفسیریں لکھیں۔ ان دونوں نظریات کے بنیادی اختلاف کو محسوس کرتے ہوئے مبصرین کا خیال ہے کہ بھگوت گیتا جس میں وحدت وجودی اصولِ مطلق کے بالمقابل توحیدی خدا کا تصور بھی موجود ہے۔ غیر آریہ یا غیر برہمن اقوام کے مذہبی رجحان کا آئینہ دار ہے۔

آریہ قومیں کئی نسلوں تک ہندوستان میں داخل ہوتی رہیں۔ بعد کے آنے والوں کی زبان، رسم و رواج اور عادات پہلوں سے بالکل مختلف تھیں۔ کافی عرصے تک ان کے درمیان فسادات و لڑائیاں ہوتی رہیں حتیٰ کہ ایک گروہ جو سب سے زیادہ طاقتور تھا، کامیاب ہوا اور باقیوں نے اس کی برتری تسلیم کر لی۔ یہ طاقتور گروہ کورو خاندان تھا جو مدھیا دیش (موجودہ دہلی اور اس کا شمالی علاقہ) میں آباد تھا۔ مدھیا دیش یعنی وسطی علاقہ کی ہی زبان تھی جو بعد میں ترقی کرتے ہوئے سنسکرت بنی۔ اسی علاقے میں وید لکھے اور جمع کئے گئے اور یہیں برہمنوں کا مخصوص طبقہ پیدا ہوا، جنہوں نے ایک برتر سیاسی اور سماجی حیثیت مستحکم کی جو بعد میں سارے ہندوستان میں تسلیم کر لی گئی۔ آریوں کی تمام مذہبی کتابیں جو اس وقت موجود ہیں یہیں تیار ہوئیں۔

۱) مدھیا دیش کے مشرق، جنوب اور مغرب میں بھی دوسری آریہ اقوام آباد تھیں۔ شروع میں

برہمنوں کے بالمقابل کشتری بھی کافی طاقت اور عظمت کے مالک تھے۔ آغاز میں برہمن اور کشتری دونوں قربانی کی رسوم ادا کرنے کے مجاز تھے اگرچہ بعد میں یہ کام صرف برہمنوں کے لئے مخصوص ہوگیا۔ مدھیا دیش کے باہر برہمنوں کا اثر و رسوخ اتنا زیادہ نہ تھا جتنا کہ مدھیا دیش میں۔ چنانچہ ان بیرونی ممالک میں محقق اور مفکر اکثر کشتری ہی ہوتے تھے جن کی تعریف خود ان کے ہمسر برہمنوں کی تصانیف میں اکثر ملتی ہیں۔ سانکھیا کا مادیت پرستانہ فلسفہ اسی علاقے میں پیدا ہؤا اور اس کے بانی اور سرپرست سبھی کشتری تھے۔ گوتم اور مہاویر جنہوں نے بدھ مت اور جین مت کی بنا رکھی انہی علاقوں کے کشتری تھے۔ یہیں مدھیا دیش کے برہمنی وحدت وجود کے بالمقابل کشتریوں نے توحیدی نظریۂ حیات پیش کیا۔ بھگوت گیتا (۴ : ۱۰-۱) میں واضح الفاظ میں اس واقعہ کی طرف اشارہ موجود ہے کہ یہ مذہب کشتریوں کا قائم کردہ ہے اور انہی میں مروج تھا۔ "فلسفی بادشاہ" اس کے اصل حامل اور سرپرست تھے۔

ان بیرونی علاقوں کے کشتری مفکرین اپنے علم و فضیلت کی بناء پر مدھیا دیش کے برہمنوں سے خراج عقیدت حاصل کرتے رہے۔ اگرچہ ان دونوں کے درمیان خیالات اور عقائد کے لحاظ سے بُعد اور تنافر موجود تھا تاہم اپ نشدوں اور دوسری مذہبی کتابوں کے حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ کشتریوں کے بعض مفکرین کی تحقیقی صلاحیتوں سے برہمن بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ مثلاً چندوگیا اپنشد (۵، ۱۱) میں مغربی پنجاب کے ایک حصّہ کا ذکر ہے جہاں پانچ دینیات کے ماہر ایک برہمن کے پاس اپنے سوالات کا حل معلوم کرنے گئے۔ جب وہ تشفی بخش جواب نہ دے سکا تو اس نے ان کو کشتری بادشاہ کے پاس بھیجا جس نے ان کو پوری طرح مطمئن کر دیا۔ یہ اپ نشد مدھیا دیش کے برہمنوں کی تصنیف ہے اور یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں کہ انہوں نے اپنے حریفوں کے متعلق کسی بے جا ستائش سے کام لیا ہو۔

ان بیرونی ممالک میں مدھیا دیش کے وحدت وجودی نظریہ کے برعکس خالص توحیدی مذہب بھگتی کے تصوّر کے ساتھ ساتھ پیدا ہؤا۔ اس کی ابتدا اور تدریجی نشو و نما کے متعلق ہمارے پاس کوئی مستند تاریخی روایت موجود نہیں لیکن اتنا واضح ہے کہ اس مذہب کی بنیاد کرشن واسدیو کے ہاتھوں رکھی گئی۔ اس کے باپ کا نام واسدیو اور اس کی ماں کا نام دیوکی تھا جو بیرونی علاقوں کے مشہور کشتری خاندان کے افراد تھے۔ مہابھارت کے قدیم حصّوں میں اس کو ایک بہادر سپاہی اور مذہبی راہنما اور مصلح کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ اس نے خدائے واحد کا نام بھگوت رکھا اور اس کے پیرو بھاگوت کہلاتے تھے۔ سب سے پہلے اس کے قبیلے کے لوگوں نے یہ مذہب قبول کیا اور اس کے بعد سارے بیرونی علاقے میں آہستہ آہستہ پھیل گیا۔ کرشن کا مذہب خالص توحیدی تھا لیکن بعد میں مرور زمانہ سے عوام نے خود کرشن کو خدا بنا ڈالا اور اس طرح اس کی خالص توحید میں

شرک کی آمیزش ہوگئی۔ اس بیرونی آمیزش کے کئی وجوہات ہیں۔

ہندوستان میں شروع ہی سے خالص مذہبی روایات اور تصوّرات کو فلسفیانہ شکل میں پیش کرنے کی طرف رجحان نمایاں رہا ہے۔ اسی جذبہ کے تحت بھاگوتی توحید کو عقلی رنگ میں پیش کرنے کے لئے کشتری مفکّرین نے برہمنی وحدتِ وجودی نظریات کے برعکس اپنے علاقوں کے فلسفیانہ افکار سے مدد لی۔ قدیم سانکھیا یہ اور یوگ فلسفے اسی ماحول کی پیداوار تھے اور اس لئے سب سے پہلے ان کی طرف رجوع کیا گیا۔ نہ صرف بھاگوتی مذہب بلکہ خود بدھ اور جین مت جو اسی علاقے کے کشتری مفکّرین کے قائم کردہ تھے انہیں دونوں فلسفیانہ مکاتیب فکر سے متاثر تھے۔

سانکھیہ مکتبِ فکر خالص مادیت پر قائم ہوُا تھا جس میں کسی خدائے برتر کا تصوّر موجود نہیں اور اسی لئے کسی فلسفۂ اخلاق کی اس میں گنجائش نہ تھی۔ اس کے برعکس بھاگوتی مذہب خدائے واحد اور اخلاقِ حسنہ کی بنیاد پر قائم تھا۔ ان دو بالکل متضاد نظریوں کے درمیان ذریعۂ ارتباط یوگ کے واسطہ سے پیدا ہوُا۔ قدیم زمانے سے ہندوستان میں یہ تصوّر موجود تھا کہ یوگ کی تجویز کردہ ریاضتوں سے انسان میں ایک خاص قسم کی جسمانی اور روحانی طاقت پیدا ہوتی ہے۔ بعد میں اسی طاقت کو اس علم کے حصول کا ذریعہ بنایا جانے لگا جس کے متعلق سانکھیہ میں تاکید کی گئی تھی۔ چونکہ یوگ میں اخلاقی نظام کی پوری گنجائش تھی اس لئے بھاگوتی مذہب کے لئے اس مشترکہ سانکھیہ یوگ مکتبِ فکر سے مدد لینے سے کوئی مجبوری نہ تھی۔ اس ارتباط سے یوگ کے نظام فلسفہ میں خدا کا تصور داخل کر لیا گیا اگرچہ منطقی طور پر اس کی کوئی جگہ نہ تھی۔ دوسری طرف بھاگوتی مذہب کو اس تعلق سے کئی ایک فلسفیانہ اصطلاحات اور تصوّرات حاصل ہوگئے۔ پہلا لفظ تو یوگ ہی تھا جو ان کی اصطلاح میں صرف ذہنی ریاضت یا مراقبہ ہی نہ رہا بلکہ اس کو مذہبی عبادت کے معنی میں استعمال کیا جانے لگا اور اس طرح اس کا مفہوم بھگتی کے قریب قریب متعین ہوگیا۔ دوسری اصطلاح پُرشن (مذکر) تھی جس کو سانکھیہ میں انسانی روح کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ یوگ میں خدا کا تصور محض ایک روح کا تھا جو عظیم الشان علم اور طاقت کی حامل تھی اور اسی خدا کے لئے ان کے ہاں پرش کا لفظ مستعمل تھا۔ چنانچہ بھاگوتی مذہب کے پیروؤں نے خدائے واحد کے لئے پُرش کا لفظ اختیار کر لیا۔ بعد میں دوسرے الفاظ بھی استعمال کئے جانے لگے مثلاً نارائن اور واسودیو۔

اس کے بعد ایک ایسا دور آیا جب مدھیا دلیش کے برہمنوں اور بیرونی علاقوں کے مروجہ مذہب بدھ مت کے درمیان خوفناک کش مکش شروع ہوئی۔ اس جنگ میں بھاگوتی مذہب کی حیثیت بالکل غیر جانبدار سی تھی۔ ان کے لئے بدھ مت میں کوئی کشش نہ تھی کیونکہ ان کے ہاں کافی عمدہ اخلاقی نظام اور

ایک اعلیٰ و برتر خدا کا تصور موجود تھا اور ان کو بدھ مت سے سمجھوتہ کرنے سے بجائے فائدے کے نقصان کا اندیشہ زیادہ تھا۔ اس کے برعکس برہمن مت کے ساتھ مل کر کام کرنے میں سیاسی فائدہ بھی مضمر تھا چنانچہ بدھ مت اور برہمن مت کی اس کش مکش میں بھاگوتوں نے آخر الذکر کا ساتھ دینا مناسب سمجھا اور اس عمل میں داد و ستد کا معاملہ دونوں طرف پیش آیا۔ بھاگوت کو وشنو قرار دیا گیا اور کشتریوں کے توحیدی عقیدہ کو برہمن مت کا جائز حصّہ شمار کیا جانے لگا۔ بھگوت گیتا کے قدیم حصّہ کے مطالعہ سے اس آمیزش کا حال بخوبی معلوم کیا جا سکتا ہے اور اس میں تمام بلند اخلاقی جذبات بھاگوتی مذہب کے تصوّرات کا آئینہ ہیں۔ آہستہ آہستہ کرشن کو وشنو کا اوتار تسلیم کیا جانے لگا۔

مرورِ زمانہ سے برہمن مت کا اثر زیادہ غالب ہوتا گیا اور شمالی ہندوستان کے بھاگوتی برہمن مت کے تصوّرات سے اتنے مرعوب ہوئے کہ ان کا مخصوص نظریہ حیات ایک ثانوی چیز بن کر رہ گیا۔ شرک کی پوری پوری آمیزش سے ان کی خالص توحید محفوظ نہ رہ سکی حتیٰ کہ وحدت وجود کا خوفناک نظریہ بھی ان میں بار پا گیا اگرچہ ان کے بلند پایہ مصنّفین نے کبھی اس کی پُرجوش تائید نہ کی۔ لیکن اس کا یہ نتیجہ ضرور نکلا کہ خدا کے تصوّر میں ماورایت اور تنزیہ کا پہلو اتنا نمایاں ہوتا چلا گیا کہ توحیدی مذہب کے خدا اور وحدت وجودی اصول مطلق میں کوئی وجۂ امتیاز نہ رہا۔ اسی وجہ سے اوتاری کا نظریہ بھاگوتی مذہب میں رواج پا گیا۔ اس کے بعد عبادت کا مستحق خدائے واحد نہ رہا کیونکہ وہ تو نظروں سے اوجھل اور انسانی دل و دماغ سے ماورا ہو چکا تھا۔ اس کی بجائے اب عبودیت کے تمام مراسم اس کے مختلف انسانی اوتاروں کے لئے وقف ہو گئے۔

ہندوستان میں خدا کا انسانی شکل اختیار کرنے کا تصوّر قدیم سے مروج تھا۔ ویدوں کے زمانے میں تین دیوتا (برہما، وشنو، اندر) یکے بعد دیگرے ظاہر ہوتے رہے لیکن اس زمانے میں جب بھاگوتی مذہب کو برہمن مت کا ایک جزو قرار دیا گیا، وشنو کی حیثیت دوسرے دیوتاؤں کے مقابلہ میں زیادہ اہمیّت اختیار کر چکی تھی اور مختلف اوتاروں کو اسی کے نام سے منسوب کیا جانے لگا تھا۔ دس اوتار مشہور ہیں۔ حیوانی حالت میں یہ حالت مچھلی، کچھوے اور جنگلی ریچھ میں نمایاں ہوئی۔ پھر انسانی اور حیوانی حالت کے درمیانی دور میں انسان نما شیر کی حالت میں۔ اس کے بعد سوَر شکل میں ظاہر ہوا۔ یہ بھی درحقیقت نیم حیوانی حالت تھی۔ انسان میں سب سے پہلے وہ رام کی شکل میں نمودار ہوا لیکن یہ حالت وحشیانہ تھی اور رام کے ہاتھ میں کلہاڑا تھا جس سے تمام انسانیت کو نیست و نابود کرنے کا عزم ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے بعد رام کا تصوّر بدل کر خالص انسانیت کی حالت میں ظاہر ہوتا ہے جو خاندانی روایات اور اس کے متعلقہ اخلاق کا بہترین نمائندہ ہے۔ اس کے بعد کرشن میں وہ نظر آتا ہے جو انسانوں کو بدی کے خلاف جنگ کے لئے اُبھارتا ہے۔ اس کے بعد گوتم بدھ اوتار قرار پایا جو انسانیت کیلئے

مجسم رحم وہمدردی کا مجسمہ تھا ان کے بعد ایک اور اوتار کا تصور بھی ملتا ہے جو آیندہ کسی زمانے میں نمودار ہوگا۔ یہ آنے والا اوتار صلح اور آشتی کا پیامبر نہیں ہوگا بلکہ اس کے ہاتھ میں تلوار ہوگی جس سے وہ بدی اور ناانصافی کیخلاف جنگ کریگا اور اپنی کوششوں سے اس دنیا میں عدل، رحم، معاشرتی انصاف کا مقدس دور شروع کریگا۔

برہمن مت میں ہر اوتار پُرش آتما کا محدود مظہر سمجھا جاتا ہے لیکن بھاگوتی مذہب میں کرشن خدا کا مکمل مظہر ہے اور اسی لئے اسے کرشن بھگوان کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔ گیتا میں (۴: ۶) ایک جگہ مذکور ہے: "اگرچہ میں پیدائش اور موت سے بالا ہوں، اگرچہ میں تمام دنیا کا رب ہوں، پھر بھی میں اپنی پراکرتی پر قابو پا کر مایا کی مدد سے پیدا ہوتا ہوں"۔ "میں مختلف زمانوں میں ظاہر ہوتا ہوں تاکہ نیکی کو تقویت دوں اور بدی کو ختم کروں اور شریعت کو قائم کروں" (۴: ۷)

بھاگوتی مذہب اور برہمن مت کی آمیزش سے دو مختلف نظریات میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کا ظاہر ہونا ایک یقینی امر تھا۔ برہمن مت میں وحدت وجود کے سوائے اور کسی نظریہ کا چلن ممکن نہ تھا اور بھاگوتی مذہب میں شروع سے سانکھیہ یوگ مکتبِ فکر کی طرف رجحان تھا۔ ان دونوں کو ملا کر ایک معجون تیار کرنے کا کام شروع ہؤا۔ ایک طرف ایک غیر منطقی وحدت وجود ظاہر ہؤا جس میں ہر شے وحدتِ مطلقہ کا جزو قرار پاتی اور دوسری طرف ایک منطقی ثنویت نمودار ہوئی جس میں مادہ اور روح دو بنیادی اجزا تھے۔ پہلی کوشش کا مظہر بھگوت گیتا کے جدید اور آخری حصے ہیں۔ لیکن ان متضاد عناصر کا ایک نظام میں سمانا اسی طرح ناممکن ہے جس طرح پانی اور تیل کا ملنا۔ چنانچہ ان تمام کوششوں کا نتیجہ سوائے ناکامی کے اور کچھ نہ ہؤا اور بھگوت گیتا کے ناظر کے لئے ان دونوں کا ایک جگہ پایا جانا سب سے زیادہ پریشان کن معلوم ہوتا ہے۔

نویں صدی عیسوی کے ابتدائی حصے میں شنکر اچاریہ نے برہمن مت کے نظریۂ وحدت وجود کی حمایت میں قلم اُٹھایا اور اس سلسلے میں اس نے بھاگوتی مذہب کے توحیدی نظریئے پر پُرجوش تنقید کی۔ اس شدید مخالفت سے بھاگوتی کے پیروؤں میں اپنے تصورات کی حمایت کا ولولہ پیدا ہؤا اور برہمن مت سے اتحاد اور تعاون کے خلاف بغاوت پیدا ہونے کے آثار نظر آنے لگے۔ لیکن یہاں پہنچ کر ان کے دو گروہ ہوگئے۔ ایک گروہ نے جس کا راہنما راما نوج تھا اس تعاون کو قائم رکھتے ہوئے شنکر آچاریہ کے دلائل کو رد کیا۔ دوسرے گروہ نے مادھو کی سرکردگی میں اس تعاون کو ہمیشہ کے لئے ختم کردیا اور سانکھیہ یوگ مکتبِ فکر کی مدد سے اپنا علیحدہ راستہ اختیار کرلیا۔ لیکن یہ واقعات بھگوت گیتا کے زمانۂ تحریر کے بعد کے ہیں۔

بھگوت گیتا جس ماحول میں وجود میں آئی، اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا مقصد خالص اخلاقی تھا یعنی زندگی کے مسائل کو سلجھانا اور نیک اعمال کی ترغیب دینا۔ اسی لئے اُسے یوگ شاستر یعنی کتاب الاخلاق کے نام

سے بھی پکارا جاتا ہے۔ گیتا میں یوگ کا لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے[1] لیکن ان سب حالتوں میں اس کی عملی حیثیت کو برقرار رکھا گیا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے پورے وجود اور اپنی تمام جسمانی اور روحانی کائنات کو خدا کی رضا کے لئے تیار کرلیں تاکہ کسی مرحلے پر بھی ہم اس کے قانون سے سرمو انحراف نہ کرسکیں۔ لیکن چونکہ کوئی اخلاقی نظام مابعد الطبیعاتی مسائل سے دوچار ہوئے بغیر صحیح بنیادوں پر قائم نہیں ہوسکتا اس لئے مختلف جگہوں میں اس مسائل کی تشریح کی گئی ہے۔

اس سلسلے میں یہ بات یاد رکھنی ضروری ہے کہ ایک خالص وحدت وجودی نظریہ حیات میں انسانی وجود، اس کی خودی، اس کے اختیار کی کوئی گنجائش نہیں اس لئے ایسے فلسفوں میں اخلاق کا وجود اور عدم مساوی ہے۔ مغرب میں سپنوزا اور مشرق میں محی الدین ابن عربی اور اس کے متبعین اور شنکر اچاریہ سبھی نے وحدت وجود کی حمایت کرتے ہوئے بھی اخلاق کی طرف پوری توجہ دی ہے لیکن یہ درحقیقت ایک متضاد کیفیت ہے جس کی وجہ محض یہ ہے کہ چونکہ انسانی معاشرہ بغیر اخلاق کے ایک قدم نہیں چل سکتا اس لئے ان مفکرین کو اس پر بحث کئے بغیر گزارہ نہ تھا ورنہ ان کے فلسفۂ حیات میں عملی اخلاق کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ جب وجود مطلق ہی مختار کل اور حقیقت کل ہے، جب کائنات اور انسان کا علیحدہ وجود کوئی نہیں جب اس کا اختیار بالکل صفر ہو تو آخر اخلاق کہاں سے پیدا ہوگا؟ چونکہ بھگوت گیتا محض اخلاق کی کتاب ہے اور اس کا مقصد انسانی کردار کی اصلاح ہے تو اس سے لازمی نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا کہ وحدت وجودی نظریئے کی حمایت جو اس کتاب میں مختلف جگہوں میں ملتی ہے وہ بعد میں داخل کی گئی ہے تاکہ برہمن مت کے ساتھ ہم آہنگی پیدا ہوسکے۔

خدا بھگوت گیتا کے مطابق ازلی و ابدی، عالم حیّ، قادر مطلق، تمام کائنات کا رب اور قیوم جس کا نہ کوئی آغاز ہے اور نہ انجام"۔ نہ دیوتا نہ مہارشی کوئی بھی میرے آغاز پیدائش سے واقف نہیں کیونکہ ان دیوتاؤں اور رشیوں کا آغاز مجھ سے ہی ہوا۔ جو کوئی یہ جانتا ہے کہ نہ میرا آغاز ہے اور نہ انجام۔ کہ میں تمام کائنات اور انسانوں کا رب ہوں۔ وہی شخص انسانوں میں ایسا ہے جو بدی اور گناہ سے محفوظ ہوگیا اور ہر قسم کے خوف و پریشانی سے بچ گیا۔" (گیتا باب ۱۰، شلوک ۱۲، ۱۳) وہ نہ صرف انسانی کائنات سے بلکہ انسانوں کی لافانی روح سے بھی ماوراء ہے۔

"میں سب کے دلوں میں مکین ہوں علم اور حافظہ اور شکوک کا خاتمہ مجھی سے ہے۔ تمام علموں کا انجام میں ہوں، میں ہی تمام علموں کا جاننے والا ہوں۔ اس دنیا میں دو پُرش ہیں، ایک فانی اور ایک لافانی۔ فانی یہ تمام کائنات ہے اور روح لافانی ہے۔ لیکن ان دونوں سے جدا اور ماوراء لافانی خدا ہے جو تینوں کائناتوں میں جاری اور ساری ہے اور جو ان کا رب ہے۔

---

[1] یوگ = عمل، سانکھیہ = علم۔ یوگ کے ایک معنی کرم (کام) کے ہیں مثلاً گیتا ۳: ۷، ۵: ۱-۲ وغیرہ۔ دوسری جگہ یوگ سے مراد پرماتما (یعنی خدا) کی غیر معمولی طاقت ہے مثلاً ۹: ۵، ۱۰: ۷ وغیرہ تیسرے معنے ان چیزوں کا حصول جو ہمارے قبضہ میں نہ ہوں مثلاً ۹: ۲۲ وغیرہ۔

چونکہ میں فانی اور لافانی ہر چیز سے ماورا ہوں اس لئے مجھے ویدوں میں اور ہر جگہ پرشوتما (خدائے مطلق) کے نام سے پکارا جاتا ہے" (۱۵: ۱۵-۱۸)

باب ۷، اشلوک ۵ اور ۶ میں مذکور ہے کہ خدا کی دو مختلف قوتیں ہیں۔ ایک کمزور درجہ کی جو زمین، پانی، آگ، ہوا، ایتھر، نفس اور خودی میں ظاہر ہوتی ہے، دوسری بلند درجہ کی جو اس سے بالکل مختلف ہے۔ "یہ جیو یعنی روحانی حیات ہے جس سے یہ تمام کائنات قائم ہے"۔ اس تقسیم سے کسی ثنویت کا عقیدہ مطلوب نہیں اس کا سادہ مفہوم یہی ہے کہ مادی اور غیر مادی کائنات سب اس کی تخلیق ہے اور اس کی مشیت کے ماتحت اپنے فرائض کی ادائیگی میں مشغول۔ گیتا میں کسی جگہ بھی مادہ کو وہ ازلی اور ابدی حیثیت نہیں دی گئی جو بعض دوسرے ہندوستانی فلسفیانہ مدارس میں ملتی ہے۔ "یہ مادہ (پراکرتی یا مہا برہما) رحم ہے جس میں میں اپنا بیج ڈالتا ہوں اور اے بھارت اسی سے تمام کائنات پیدا ہوتی ہے" (۱۴: ۳) وہی سب کا باپ ہے، سب کا رب اور حاکم ہے۔ وہی اس کائنات کی پیدائش، ترقی اور تباہی کا واحد ذمہ دار اور اس حیثیت سے وہ اس کا آغاز و انجام۔ "تمام اشیاء میری ہی طرف لوٹ کر آنے والی ہیں" (۹: ۷) وہی سب کی قسمتوں کا بنانے والا ہے یعنی ان کے اعمال کے مطابق ان کو سزا اور جزا دیتا ہے چونکہ وہ انتہائی کمال کا حامل ہے اس لئے اس سے کسی خواہش یا تمنا کا اظہار ممکن نہیں اور اسی لئے اس کائنات کی تخلیق میں اس کا کوئی مقصد نہیں۔ اگر اس نے یہ کائنات تخلیق کی ہے تو اس سے مقصد محض مخلوق کی بھلائی ہے۔ باوجود خواہش کے نہ ہونے کے وہ ہر لحظہ کام میں مشغول ہے اور نیند اور غفلت اس کی فطرت میں نہیں۔

"اے پرتھوی کے بیٹے، ان تین دنیاؤں میں کوئی کام ایسا نہیں جو میرے کرنے کا ہو اور نہ مجھے کسی ایسی چیز کی حاجت ہے جو میرے پاس نہ ہو۔ اس کے باوجود میں ہر لمحہ کام میں مشغول ہوں۔ اگر میں نیند اور اونگھ سے محفوظ ہو کر لگاتار کام نہ کرتا رہوں تو یہ تمام کائنات تباہ و برباد ہو جائے اور ہر جگہ فساد ہو جائے" (۳: ۲۲-۲۴) اسی مقصد کے تحت گیتا میں اوتار کا نظریہ پیش کیا گیا ہے تاکہ دنیا کا فساد ختم ہو۔ "جب کبھی ناانصافی اور ظلم دنیا میں عام اور انصاف اور عدل غائب ہو جائیں تب میں جو ازلی اور لافانی ہوں اور کبھی پیدائش سے ملوث نہیں ہوا، اپنے آپ کو فانی شکلوں میں ظاہر کرتا ہوں تاکہ نیکی کی حفاظت کروں بدی کو ختم کروں اور اس طرح حق اور انصاف قائم ہو" (۴: ۶-۸) چونکہ خدا کا کوئی فعل کسی ذاتی خواہش پر مبنی نہیں ہوتا بلکہ اس مادے کی وجہ سے ظہور میں آتا ہے جس پر وہ حکمران ہے، اس لئے وہ اپنے اعمال کے باعث کسی نتیجہ کا پابند نہیں اور اس کی مطلق العنانی اور قدرت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔

عام طور پر انسانوں کو ان کے اعمال کے مطابق سزا اور جزا ملتی ہے لیکن اگر خدا سے صحیح محبت کی جائے تو اس محبت کے عوض وہ رحمت کے امیدوار ہو سکتے ہیں۔ (۱۸: ۴۶-۴۸، ۱۲: ۶-۸، ۱۴: ۱۲-۲۰) "تمام چیزوں کو چھوڑ کر میرے پاس پناہ ڈھونڈو میں تمہیں عام گناہوں سے نجات دوں گا۔ کوئی غم نہ کرو" ۱۸: ۶۶